فلسفۂ حج

ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

حج کا یہ مختصر لفظ کس قدر اپنی جاذبیت کے لباس میں ملبوس ہے۔ یہ مختصر لفظ جو ارادہ، عزم اور تصمیم کے معنی رکھتا ہے اس کا یہ مفہوم عالم بشریت کی اس گراں بہا معنوی تاریخ سے مربوط ہے جو انسانی معاشرے کو حق و عدالت کے محور کے اردگرد گھومنے والی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا نظام حیات فراہم کرتی ہے۔ حج، نیکوکاروں ،معنویت پسندوں اور آخرت کو دنیا پر فوقیت و اہمیت دینے والوں کا وہ پاک اجتماع ہے جہاں ''اشھرٌ معلومات'' (خاص مہینوں) میں ملاء اعلیٰ کی پاک ارواح اور عالم بالا کے فرشتے اس ''پہلے گھر'' کے اردگرد جمع ہوتے ہیں جسے پوری دنیا کے انسانوں کے لیے بنایا گیا ہے جیسا کہ آیہ قرآنی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے'' إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِى بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۔ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْ الْعَالَمِينَ '' [۱] یعنی لوگوں کی عبادت کے واسطے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا وہ یقیناً یہی کعبہ ہے جو مکہ میں بڑی خیر و برکت والا ہے اور سارے جہان کے لوگوں کا رہنما ہے۔ اس میں (حرکت کی) بہت سی روشن نشانیاں ہیں۔ (منجملہ اس کے) مقام ابراہیم ہے (جہاں آپ کے قدموں کا پتھر پر نشان ہے)اور جو اس گھر میں داخل ہوا امن میں آ گیا۔ اورلوگوں پر واجب ہے کہ فقط خدا کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے طاقت وقدرت کے باوجود حج سے انکار کیا تو خدا سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حج درحقیقت اپنی علامتی زبان کے ذریعے اتحاد وعبادات اور استعمار و شیطان سے مقابلے کا درس دیتا ہے۔ حج مجموعی طور پر خدا کی طرف انسان کا سفر ہے ۔انسان کا عملی فریضہ ہے کہ ہستیِ مطلق کی جانب تیزی کے ساتھ بڑھے کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ:

'' يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ '' [۲] ترجمہ: لوگو! تم سب کے سب خدا کے (ہر وقت)محتاج ہو اور (صرف) خدا ہی (سب سے) بے پرواہ سزاوارحمد وثنا ہے۔ فقر کی فطرت

کا تقاضہ غنی مطلق کی جانب حرکت اور سفر ہے کیونکہ ''اللّٰہ نور السّمٰوات والارض'' آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے نور مطلق کی جانب بڑھنا چاہیے۔قرآن مجید میں حج کے متعلق بیشمار تذکرے ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ،آیات ۱۲۵، ۱۵۹، سورۂ حج آیت ۲۶، سورۂ ابراہیم،آیت ۳۷، سورۂ فتح ،سورۂ آل عمران ،آیت ۹۷،وغیرہ۔جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام ایک اجتماعی مذہب ہے اس کے ذریعہ اللہ نے سماج کو پُروقار اور بامقصد زندگی جینے کا سلیقہ سکھایا ہے۔آیات قرآنی سے یہ بھی واضح ہے کہ حج عبادی کسی خاص نسل ،رنگ ،طبقہ ،یا ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ پوری بنی نوع انسان کے لیے دعوت فکر وعمل ہے کہ بلاتفریق و امتیاز ایک ہی جامۂ احرام سب کے لیے مقرر کیا ہے تاکہ غریب وامیر ،فقیر و بادشاہ اس مرکز توحید اور عظیم اجتماع انسانیت میں پہنچیں تو ان میں کسی قسم کا کوئی فرق باقی نہ رہے۔اسی مساوات و اتحاد سے متاثر ہوکر علامہ اقبال نے کیا خوب شعر کہا ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے ۴

امام علی رضا علیہ السلام ایک حدیث میں فلسفۂ حج کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ

''فان قال فلم امر بالحج ،قیل لعلّة الوفادة الی اللّٰہ عزّ و جلّ و طلب الزّیادة والخروج من کلّ ما اقترف العبد تائبا ممّا مضی مستانفا لما یستقبل.... '' الخ آپ سے سوال کیا کہ لوگوں کو حج کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کے مقدس مہمان خانے میں داخل ہونے کے لیے اور خدائے عزّ وجلّ کی جانب سفر کرنے ،ماوراء کی فضا میں سانس لینے، خدائے تعالیٰ کے لطف و کرم کے بیکراں سمندر سے زیادہ طلب کرنے، خدا کی لامحدود نعمتوں سے متصل ہونے ، اس چیز کو ترک کرنے اور پیچھے چھوڑنے کے لیے جس کو بندے نے اپنے ہاتھوں اور پیروں میں باندھ رکھا ہے۔اس کنویں سے باہر نکلنے کے لیے جس کو اس نے اپنے برے اعمال سے کھودا ہے اور آخر کار اس منزل تک پہنچنے کے لیے کہ ''یاایتھا النّفس المطمئنّة إرجعی إلیٰ ربّک راضیة مرضیة '' ۵ کیونکہ انسان کو اطمینان تک پہنچنا چاہیے اور نفس کو امّارہ سے مطمئنہ تک پہنچائے تاکہ اس وقت رب الارباب کے حضور سے فیضیاب ہو۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہا ست در آن

شرط اول قدم آن است کہ مجنون باشی

جب انسان مادی وابستگیوں سے اپنے کو آزاد کر کے ایک معنوی سفر کے لیے آمادہ ہوکر آگے بڑھتا ہے تو وہ خدا کے محفوظ حرم اور مقدس خدائی حدود میں داخل ہوتا ہے ۔کاخ کبریائی کے سایے میں بیٹھتا ہے اور خدائی عرفان وعبادت کے طور سینا پر پہنچ جاتا ہے ۔اس لیے ضروری ہے کہ اس سفر میں مخلوقات کی تربیت کرنے والے کی تابناک شعاعوں کے زیر سایہ اپنی ترقی اور تکامل کا کام انجام دے اور آرام نہ کرے اور نہ ہی رُکے، کیونکہ رکنا اور آرام کرنا سالک کی بہت بڑی لغزش ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''مافیه من اخراج المال و تعب الابدان والاشتغال عن الاهل والولد و جذر النّفس عن الذّات شاخصا فی الحرّ والبرد تائبا ذالک علیه دائما مع الخضوع والاستکانة والتذلّل.....'' الخ

یعنی حج کے سفر میں بخشش کی حالت پیدا کرو تاکہ تم میں پیسے جمع کرنے اور مال پرستی کی حالت ختم ہوجائے اور تمہاری زندگی دولت کے محور پر قرار نہ پائے اور دولت تمہارا خدا نہ بن جائے اور اپنی تربیت کرو تاکہ جسمانی تکلیفوں اور اپنے عزیزوں اور اہل خاندان سے دوری اور لذتوں سے نفس کو روکنے کا استقبال کرو۔ تمہیں گرمی اور سردی سے نہیں ڈرنا چاہیے ۔ اور نفس کو اس طرح آمادہ رکھنا چاہیے کہ تمام مشکلات کے باوجود اپنے راستے کو جاری رکھو اور وہ بھی ایک دن یا دو دن کے لیے نہیں بلکہ پوری زندگی میں خضوع وخشوع اور حضوری کی حالت میں رہو اور کوشش کرو کہ اس معنوی سفر میں تکبّر وغرور کی جڑوں کو تباہ کردو اور ہمیشہ فروتن اور منکسر المزاج رہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ''الحج تسکین القلوب ''یعنی حج دلوں کی راحت وسکون ہے ۔ ۶

اسی طرح سے امام محمد باقر علیہ السلام نے حج کو فلاح ونجات کا ذریعہ قرار دیا ہے ،آپ نے فرمایا کہ ''حج فلان ای افلح فلان''یعنی فلان شخص نے حج کیا ،یعنی فلاں شخص کامیاب ہوا۔ ۷

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ''لا یزال الدین قائما ما قامت الکعبة''یعنی جب تک کعبہ قائم ہے اس وقت تک دین بھی ثابت و استوار رہیگا۔ ۸

حضرت علی علیہ السلام نے حج کے سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ '' انّ افضل ما توسل له المتوسلّون الی اللّٰه سبحانه و تعالیٰ حج البیت و اعتماره فانّهما ینفیانی الفقر و یرحضان الذنب'' ۹

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ایک اعتبار سے حج زمین پر مخلصین ، پرہیزگاروں ،نیکوکاروں ،عبادت

گزاروں اور اطاعت گزاروں کی کانفرنس اور انبیاء اور اولیائے خدا کی نورانی تاریخ کی جلوہ گاہ بھی ہے۔

حج ایک ایسی چندروزہ تربیت گاہ ہے جہاں سے انسان تربیت حاصل کرکے راہ حیات کے مختلف مراحل پر پیش آنے والے حالات و واقعات کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو آمادہ کرتا ہے۔ حج کے دوران انسان یہ درس حاصل کرتا ہے کہ اگر وہ اسلامی اور حقیقی انسانی زندگی کی راہ پر گامزن رہنے کا خواہاں ہے تو پھر اسے وطن ،مال وزر، بیوی بچوں اور دوسرے رشتوں کو چھوڑ کر سفر کی سختی ، دربدری، اضطراب کو برداشت کرنا پڑے گا نیز ہر وہ چیز جو خود کو سنوارنے اور خودبستگی سے متعلق ہے چاہے وہ ظاہری لباس اور زیب و زینت ہو یا آرام وسکون یا پھر وہ امور ہوں جو انسان کو خودفراموشی کی راہ پر گامزن کردیتے ہیں۔ ان سب سے دوری اختیار کرکے صرف اورصرف 'مبدء لایزال ' کی آواز پر مثبت جواب دینا ہوگا۔ یہی فریضۂ حج ہے جو انسان کو یہ درس بھی دیتا ہے کہ اگر وہ حقیقی عروج کا خواہاں ہے تو پھر مختلف قسم کی دعوتوں پر کان نہ دھرتے ہوئے محورحق و عدل کے اردگرد گھومنے کے علاوہ اپنی زندگی کا محور اور مقصد سوائے طہارت، پاکیزگی اور سچائی کے کسی دوسری شئ کو ہرگز قرار نہ دے۔

حج وہ فریضہ ہے جو اسلامی رہبانیت کے ساتھ ساتھ دین و دنیا کا مجموعہ بھی ہے جس میں منافع بھی ہیں اور ذکر خدا بھی، جو محض عبادت ہی نہیں، سیاست بھی ہے۔ اس میں اگر زیارت کا پہلو ہے تو سیاحت کا گوشہ بھی موجود ہے جو انفرادی حیثیت کے علاوہ اجتماعی حیثیت بھی رکھتا ہے جس میں دنیا بھی ہے اور زادراہ آخرت بھی۔ لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اگر حاجی خود کو سنوارنے کی طرف متوجہ نہ ہو، اپنی ذات کو خودخواہی کے جال سے رہا نہ کرائے، تزکیہ نفس کے لیے جرأت و ہمت نہ کرے، حج کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل نہ کرے، احرام سے لیکے تقصیر اور طواف النساء تک (کے اعمال بجالانے کے لیے) خود کو آراستہ نہ کرے اور خود کو اخلاقی اور روحانی آلودگیوں سے پاک نہ کرے تو پھر وہ کسی صورت میں بھی حج کے مختلف نوعیت کے جو مقاصد ہیں ان میں سے کسی ایک کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔اس سلسلے میں آیت اللہ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ:

''وہ حج جس میں روح حج یعنی تحرک و قیام نہ ہو جس میں مشرکوں سے بیزاری کا

اظہار نہ کیا جائے ،جس میں اتحاد کا مظاہرہ نہ ہو اور وہ حج جس سے کفر وشرک کے ایوانوں میں لرزہ طاری نہ ہو ،اسے حج نہیں کہا جاسکتا۔۔۔۔۔حج کے روحانی مراتب کہ جو حیات جاوید کا سرمایہ ہیں اور انسان کو توحید وتنزیہ کے افق کے نزدیک کرتے ہیں۔ اس وقت تک حاصل نہ ہوں گے جب تک حج عبادی احکام پر صحیح طور سے، مناسب طریقے سے اوران کے جز جز پر عمل نہ ہو۔حجاج محترم اور کاروانوں کے علمائے معظم اپنی تمام تر توجہ مناسک حج کی تعلیم پر مبذول کریں۔ جولوگ مسائل جانتے ہیں وہ اپنے ساتھیوں کا خیال رکھیں کہ خدانخواستہ وہ احکام حج کی خلاف ورزی نہ کریں ۔حج کے سیاسی واجتماعی پہلو پر اس وقت تک عمل نہیں ہوسکتا جب تک اس کا روحانی اور الٰہی پہلوعملی جامہ نہ پہن لے۔آپ کی لبیک حق تعالیٰ کی دعوت کے جواب میں ہونی چاہیے۔آپ محضر حق تعالیٰ کے آستانے تک پہنچنے کے لیے احرام باندھیں۔۔۔امید ہے کہ تلاش کرنے والوں کو وہ موتی مل جائے گا کہ جو ہجرت کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور وہ اجر پالیں گے جو اللہ کے ذمّہ ہے۔اگر روحانی پہلوفراموش کر دیے گئے تو پھر گمان نہ کریں کہ آپ شیطان نفس کے چنگل سے نجات پاسکتے ہیں۔" [۱۰]

حج معنوی تبدیلی اور روحانی تسلط کا نام ہے ۔صرف سرزمین نور پر پہنچ جانے کا نام حج نہیں ہے بلکہ ان تفکرات کے احیاء کا نام ہے جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور شبلی کی گفتگو میں سامنے آیا تھا امام علیہ السلام نے فرمایا: شبلی! قبل احرام غسل کا حکم ہے۔پانی سے غسل حقیقت حج نہیں ہے بلکہ بارگاہ خدا میں آب توبہ و ندامت سے غسل کرنے کا نام حقیقی غسل ہے۔بے سلے احرام کا مفہوم، گناہوں سے دوری ،شک وشبہ سے رہائی، ریاو دکھاوے سے بیزاری ہے۔

تلبیہ درحقیقت بندہ کا حضور میں اعلان وعہد ہے کہ آج کے بعد سے اس نے اپنے اوپر سے پھر ہر اس چیز کو حرام کردیا جس کو خداوند متعال نے حرام کیا تھا اور ہر اس شخص سے عہد و پیمان توڑ لیا جو رضائے الٰہی کے علاوہ تھا۔مکہ مکرمہ میں داخلہ اس بات کا عزم وعہد ہے کہ آئندہ کسی کی غیبت وعیب جوئی نہیں کریگا۔ اغواء سے بھاگ کر بیت الٰہی میں گزین ہوا ہے۔حجر اسود کو بوسہ صفات الٰہیہ سے قربت ہے اور مقام ابراہیم کے روبرو مادیت کو پس پشت قرار دینے کا نام ہے اور پھر اسی مقام

ابراہیم پر دو رکعت نماز، منکر سجدہ، ابلیس کی شکست اور بندگی کی برتری کا اعلان ہے۔[۱۱]

زیر نظر مقالہ میں ہم حج کے ایک ایک رکن کو مختصراً ذکر کر رہے ہیں۔ تاکہ فلسفہ حج کی عظمت و اہمیت مکمل طور پر ابھر کر سامنے آسکے۔

کعبہ: وہ گھر جو قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق "اوّل بیت وّضع للنّاس" (یعنی سب سے پہلا گھر جسے انسانوں کے لیے وضع کیا گیا) ہے اگر چہ یہ گھر جو پتھروں سے بنا ہوا ایک نہایت ہی سادہ اور ظاہری آرائش و زیبائش سے پاک گھر ہے لیکن درحقیقت وہ بنی نوع انسان کے لیے امن و سلامتی کا پیامبر اور رمز وحدت بشری ہے۔ یہ پرانا گھر (بیت عتیق) روئے زمین پر سب سے قدیم ترین عبادت گاہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں تعمیر ہوا اور روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے پناہ گاہ وملجا اور اجتماعی اعتبار سے ایک نہایت ہی مضبوط اور محفوظ قلعہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

حرم: خانۂ کعبہ جو محور کی حیثیت رکھتا ہے اس کے چھ اطراف کا وہ محدود علاقہ جس کی حدود کا ذکر متعلقہ کتب میں موجود ہے اسے ''علاقہ ممنوعہ'' یا حرم خدا کہا جاتا ہے۔ اس علاقے میں محرم (جنہوں نے احرام باندھ رکھا ہو) حاجیوں بلکہ دوسرے افراد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اس حدود کے اندر موجود نباتات، حیوانات اور انسانوں سے تعرّض نہ کریں کیونکہ یہ امن کی جگہ ہے یہاں نہ تو کسی پودے کو توڑنا جائز ہے نہ کسی جانور کا شکار کرنا جائز ہے، نہ ہی کسی پناہ گزین انسان پر ہاتھ ڈالنے اور اذیت دینے کی اجازت ہے۔ اس جگہ امن کی وجہ سے ہی حرم خدا میں جنگ و.... وغیرہ بھی حرام ہیں۔

احرام: حرم خدا میں داخل ہونے کے لیے جو امور ضروری ہیں ان میں سے ایک امر احرام باندھنا بھی ہے کیونکہ ''حرم'' کو ''محرم'' (احرام باندھنے والے) کے وجود میں ''حرم'' بنانے کا عمل قرار دیا جا سکتا ہے یعنی وہ حاجی جو احرام باندھتا ہے گویا وہ (احرام باندھ کر) اپنے وجود میں خدا کے مقام امن (حرم) کو وجود دے کر خود کو صلح و آشتی اور امن و سلامتی کی علامت قرار دیتا ہے۔ اس لیے کہ حاجی احرام باندھنے کے بعد فرشتوں جیسی حالت و کیفیت کا حامل ہوتا ہے، مادی آلودگیوں شہوت، غضب اور ان تمام خصوصیتوں سے جو انسان کی حیوانی خصوصیات ہیں، ان سب سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جو انسان کے لیے اپنے مستقبل میں ہرگز ناقابل فراموش ہے اس لیے یہ

حالت اس کے لیے ایک مشق یعنی سبق اور نصیحت آموز ہے۔

تلبیہ: لبّیک اللّٰھم لبّیک، لبّیک لا شریک لک لبّیک انّ الحمد والنّعمة لک والملک لاشریک لک۔پورے فریضۂ حج کے دوران کوئی بات ذکر، درد اور واجب دعا سوائے اسی لبیک کے حاجی کے لیے واجب نہیں ہے اس لئے کہ در واقع حج اس زیادہ سے زیادہ عمل کی نمائش کا نام ہے جو نہایت ہی مختصر اور کم ترین گفتگو کے ساتھ ہو۔

عرفات: عرفات سرزمین معرفت و آگہی ہے۔عرفات وہ گوشۂ زمین ہے جہاں سب سے پہلا انسان زمین پر آیا اور جہاں سے اس نے مقام بلندی و عروج (معراج) کی طرف پرواز کی تھی۔ عرفات حضرت آدمؑ ،حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سرزمین ہے۔ یہ وہ مرکز ہے جہاں وحی الٰہی کے آخری سفیر نے اسلام کے ابدی احکام کو نشر کیا۔پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''الحج عرفة''عرفات وہ جگہ ہے جہاں حاجی زمین و آسمان سے الہام حاصل کرتا ہے۔ جہاں وہ اپنی پاک ومنزّہ شدہ روح سے الہام حاصل کرتا ہے۔

مشعرالحرام: ''فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللّٰہ عند المشعر الحرام''[12] آیہ کریمہ ان حاجیوں کے لیے جونویں تاریخ کو غروب کے وقت مشعرالحرام کی طرف کوچ کرتے ہیں اپنے دامن میں ایک خاص قسم کے رنگ و بو، روشنی تابندگی ،جذبہ اور کیفیت کی حامل ہے۔''مشعر''حرم ہے ''عرفات'' حرم نہیں ہے۔تونے (اے حاجی) حرم میں داخل ہونے کے لیے''حرم''میں احرام باندھا اور پھراس مقصد کے لیے کہ تو حرم میں داخل ہونے کے قابل بن سکے۔تونے حرم سے باہرعرفات کے صحرا میں خود کو سنوارا اور اب رات کے وقت حرم خدا کی طرف عازم ہورہا ہے ۔اب مشعر بھی حرم ہے ۔منیٰ بھی حرم ہے اور مکہ بھی حرم ہے جہاں تجھے مرحلہ وار داخل ہونے کی اجازت حاصل ہوئی جیسا کہ مذکورہ بالا آیۂ کریمہ میں ارشاد ہے''مشعر الحرام''میں ذکر خدا کے ساتھ تجھے آج کی رات بسر کرنا ہوگی اور سنّت ومعمول کے مطابق خود کو شیطان سے نبرد آزمائی کے لیےضروری اسلحہ سے لیس کرنا ہوگا۔

منیٰ: منیٰ وہ مقام ہے جہاں حاجی قربانی دیتا ہے اور شیطان سے نبرآزمائی کرتا ہے نیز یاس وامید کی ملی جلی حالت میں اس طرح شب بیداری کرتا ہے کہ اس کا دل و دماغ نہ تھکنے والے مجاہد کی طرح

اس فکر میں محو ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس جہاد کو جسے اس نے تین روز قبل شروع کیا تھا۔دشمن پر فتح کے آخری مرحلہ تک پہنچانے کے لیے ہر قسم کی تکلیف اور سختی سے گذر جائے گا۔عصر حاضر میں دنیائے اسلام کو درپیش مسائل کے حل اور ان پر غور وفکر کے سلسلے میں جو کانفرنسیں یا مذاکرات منیٰ میں منعقد ہوتے ہیں وہ مکمل طور پر پسندیدہ ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ نہ تو محض دکھاوے کے لیے ہوں اور نہ ہی بے عمل یا پھر خدانخواستہ رضائے خداوندی اور مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہوں۔

رمی جمرات : درحقیقت دشمن کے خلاف روح جہاد کے احیاء کی بہترین مشق ہے ''جمرات ثلاث'' جو اصل میں پلیدی اور ناپاکی کے نمونے ہیں۔اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں جب جناب ابراہیمؑ کو (حج یا ذبح اسماعیل کے سلسلے میں) شیطانی وسوسے کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے اس سے نبرد آزمائی کرکے اسے مغلوب کیا تھا ''رمی'' (کنکریاں مارنا) حافظ عامر بیگ کی تعبیر کے مطابق درحقیقت ''جنگی مہارت'' کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے یا پھر دوسرے الفاظ میں اگر یہ کہا جائے تو بالکل درست ہوگا کہ ''رمی'' وہ ملکہ ہے جس کے ذریعے دشمن کا بالکل صحیح نشانہ باندھنے اور اس پر کاری ضرب عائد کرنے کی صلاحیت حاصل کی جاتی ہے۔چنانچہ صحیح نشانہ باندھنے والا ہاتھ اس لیے بھی اہمیت کا حامل بن جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کے مستقبل کی زندگی میں بے حد کارساز اور عقدہ کشا ثابت ہوسکتا ہے۔

قربانی: یہ درحقیقت جناب ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنّت اور جناب اسماعیل کے جذبہ فداکاری کی ہمیشہ باقی رہنے والی یاد ہے۔یہ قربانی یاد دلاتی ہے کہ ایک فرد جو کبیر السن تھا اور جس کی عمر مبارک کے زیادہ تر برس جستجو، جنگ، ہجرت اور ترک مال و اولاد میں بسر ہوئے تھے۔اسے اپنی حیات مبارکہ کے اواخر میں جب ایک فرزند نصیب ہوا اور وہ فرزند اس کی امیدوں کا مرکز اور شمع شبستان زندگی بن گیا تو ایسے عالم میں اسے خداوند عالم کی جانب سے خدا کی راہ میں اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم ملا تھا۔لہٰذا اس یاد کی روشنی میں اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے کہ ''قربانی دینا'' وہ آخری عمل ہے جسے ''حاجی'' احرام کی حالت میں انجام دیتا ہے تو پھر یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس عمل کی انجام دہی کے ذریعے جہاں قدرت کی طرف سے جناب ابراہیمؑ کے جذبۂ ایثار وقربانی کی یاد تازہ کرائی جاتی ہے وہاں عقل وخرد کو مدہوش اور حیران کردینے والی قربانی کی یاد کے ذریعے ''حاجی'' کو راہ خدا میں مال وجان فدا کردینے کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

تقصیر: وہ عمل جو عمرہ میں عمرہ کے تمام ہونے اور فریضۂ حج میں اعمال حج کے ایک حصے کے مکمل ہونے کی علامت ہے اسے ''تقصیر'' کہا جاتا ہے اور اس کے معنی ہیں سر اور چہرے کے بالوں کا کاٹنا اور ناخن تراشنا۔ نیز یہی وہ عمل ہے جس کے بجالانے کے بعد حاجی کے لیے ''محرمات احرام'' کا کافی حصہ حلال ہوجاتا ہے قطع نظر اس امر کے کہ وہ (حاجی) مکمل طور پر محلّ (محرّمات احرام سے آزاد ہونا) نہیں ہوتا۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ ''تقصیر'' درحقیقت ہوسکتا ہے کہ ''حاجیؑ'' کو اس امر کی طرف متوجہ کرا رہی ہو کہ وہ اپنے تن اور من کو پاک کرنے کے مرحلہ کو کامیابی سے طے کر چکا ہے۔

حجر الاسود: بظاہر ایک معمولی قسم کا سیاہ پتھر ہے جس میں نہ تو کوئی طبیعی خصوصیت دکھائی دیتی ہے اور نہ ہی اس کی ساخت کا راز کسی کو معلوم ہے بلکہ وہ صرف ''یمین'' کے زیر عنوان متعارف کرایا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حجرالاسود کی مثال اس پرچم کی مانند ہے جو اپنی ساخت اور سلائی میں دوسرے پرچموں سے کسی قسم کا تفاوت تو نہیں رکھتا مگر پھر بھی ایک ملّت کی شرافت، تاریخ اور وجود کے لیے ایک رمز اور علامت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حجر اسود ایک اور پہلو سے دیکھا جائے تو قلب بیت اللہ ہے اور قلب کا جس قدر بھی جاہ وجلال، روحانیت، معنویت اور شکوہ ہے وہ اسی ایک چھوٹے سے عضویت کی بدولت دکھائی دیتا ہے، پھر اس بیت اللہ کو جس طرح اپنے ''نواۃ'' (مرکز) سے نسبت حاصل ہے۔ اسی طرح اسے مسجد سے، مسجد کو مکہ سے، مکہ کو حرم سے اور حرم کو پوری دنیا سے اپنی موقعیت کی بنا پر نسبت حاصل ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی: صفا وہ پہلی یادگار پہاڑی ہے جہاں سے ختم الرسل نے پہلی بار اعلان نبوت فرمایا تھا اور اس پہاڑی (صفا) سے دوسری پہاڑی (مروہ) کے درمیان ''سعی'' جہاں جناب اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ جناب ہاجرہ کی اس کیفیت کی یاد دلاتی ہے جس کے تحت وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیلؑ کی تشنگی بجھانے کے لیے تلاش آب میں مصروف تھیں۔ وہاں ''سعی'' حج بجالانے والے کی کیفیت خوف و رجاء اور یاس و امید کی عکاسی بھی کرتی ہے۔

روایت میں ہے کہ خداوند عالم کو مناسک حج میں سب سے زیادہ ''سعی'' پسند ہے اسلئے کہ یہی وہ موقع ہے جب تمام سفاک، جبار اور گردنیں اکڑا کر چلنے والوں کے سر اپنی عاجزی کی بناء پر جھک جاتے ہیں۔ اور ظالم و جابر افراد ذلیل و رسوا نظر آتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کہنا حق بجانب ہے کہ حج درحقیقت مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے فروغ کا بہترین ذریعہ ہے اس لیے کہ یہی وہ موقع ہے جب تمام مسلمان ہر قسم کے تضاد اور اختلاف کو ختم کر کے صرف ایک ہی آئین کتاب اور پیغمبر پر مکمل طور پر عقیدہ و ایمان کے جذبے سے سرشار ہو کر نہ صرف اللہ کے حضور میں جمع ہوتے ہیں بلکہ صرف ایک ہی قبلہ اور کعبہ کو اپنا ہدف بھی قرار دیتے ہیں۔ وہ کعبہ جو مرکز توحید اور مقام ابراہیمی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام فتنہ وفساد کو سخت ناپسند کرتا ہے اس کا مطمح نظر اتفاق و اتحاد ہے۔ اہل کتاب تک کو قرآن دعوت دے رہا ہے کہ "تعالوا الی کلمة سوآءٍ بیننا و بینکم"[۱۳] آؤ اس کلمہ پر متحد ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے علی الخصوص مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے "انّما المؤمنون اخوة" وہ مسلمانوں میں باہمی الفت و محبت کو اللہ کی نعمت قرار دیتا ہے۔ تفرقہ و انتشار کی مذمّت کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے "واعتصموا بحبل اللّٰه جمیعاً وّلا تفرّقوا"[۱۴] رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور احادیث دعوت اتحاد دیتی ہیں کہ "المسلم من سلم المسلمون من یدہ و لسانه" دوسری حدیث میں ہے کہ "المسلمون کالجسد الواحد" ان تمام احکام حج اور احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام کو پیش نظر رکھ کر آپ خود فیصلہ کریں کہ حج بیت اللہ کس طرح اتحاد کی دعوت دیتا ہے۔ اگر صرف خانہ کعبہ کی زیارت مقصود ہوتی، اگر صرف مزدلفہ، منیٰ، مشعر الحرام میں یاد الٰہی اور مناسک انجام دلوانا ہوتے تو یہ باتیں کوئی شخص کسی مہینے میں بھی انجام دے سکتا تھا۔ پھر ایک معین زمانے کی قید کیوں؟

"افیضو من حیث افاض الناس" کا اعلان کیوں ہوا؟ اپنی اپنی قومی زبانیں چھوڑ کر سب ایک زبان ہو کر "لبیک اللّٰھم لبیک" کیوں کہیں۔ سب مکہ مکرمہ سے ایک ساتھ عرفات مزدلفہ، منیٰ کیوں جائیں؟ یہ ساری باتیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ سب مسلمانوں کو ہمرنگ، ہمزبان، ہم لباس دیکھنا چاہتا ہے سب کی منزل ایک ہو۔ اس کا مقصد ایک ہو۔ اس کا مرکز محبت متحد ہو۔

حوالے:

(۱) سورۂ آل عمران، آیات ۹۶، ۹۷

(۲) سورۂ فاطر، آیت ۱۵

(۳) بانگ درا ،علاّمہ اقبال

(۴) بحار الانوار ، ج/ ۹۹،ص ۴۰

(۵) سورۂ فجر ،آیت ۲۷ و ۲۸

(۶) بحار الانوار ، ج/ ۷۵،ص ۱۸۳

(۷) علل الشرائع ، ج/ ۱ ،ص ۴۱۱

(۸) اصول کافی ، ج/ ۴،ص ۲۷۱

(۹) نہج البلاغہ ،خطبہ ۱۱۰

(۱۰) حج اجتماعی اور سیاسی عبادت: حضرت امام خمینیؒ ،ص ۳۷ و ۳۸

(۱۱) مستدرک الوسائل ،ج / ۸ باب عودائی منیٰ

(۱۲) سورۂ بقرہ ،آیت ۱۹۸

(۱۳) سورہ آل عمران ،آیت ۶۴

(۱۴) سورۂ آل عمران ،آیت ۱۰۳